ڈاکٹر شفیق احمد ، طاہرہ نار

تحقیق

ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ الثانیہ اور اقبال

نشاۃ ثانیہ انگریزی زبان کے لفظ "REVIVAL" کا مترادف ہے۔ "REVIVAL" کے معنی دوبارہ زندگی پانے کے ہیں اسی طرح نشاۃ ثانیہ کسی نظریے، طرز زندگی یا تہذیب و تمدن کے نئے سرے سے احیاء کو کہتے ہیں گویا ملت اسلامیہ کی احیاء کے معنی اس شیر کے پھر سے بیدار ہونے کے ہیں جس نے صحرائے عرب سے نکل کر روم و ایران کی سلطنتوں کو الٹ دیا تھا ان سلطنتوں کو الٹنے کے لئے جہاں ان مادی وسائل کا میسر آنا ضروری ہے جو کارزارِ حیات میں نصرت و کامرانی حاصل کرنے کے لئے ظاہری اسباب کے طور پر ضروری ہوتے ہیں وہیں روحانی طور پر اس منزل تک پہنچنا بھی ضروری ہے جہاں مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہونے کے باعث غالب، کار آفریں، کارکشا اور کارساز بن جاتا ہے اور جس کے سبب سے صرف تین سو تیرہ افراد ظاہری اسباب کے قلب کے باوجود کئی گنا دشمن پر غلبہ پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کی اصطلاح میں ایک مفہوم یہ بھی پوشیدہ ہے کہ تاریخ عالم میں ایک وقت ایسا آیا ہے جب ملت اسلامیہ ایک فعال قوت کے طور پر دنیا میں اپنا وجود رکھتی تھی لیکن بعد میں بربنائے وجود اس کی یہ حیثیت ختم ہو گئی اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے والی آنکھیں اب دوبارہ اس عہد کو زندہ دیکھنے کی خواہاں ہیں لیکن یہاں پر ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مذہب اور زندگی کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر اور رویہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم صرف ناموں کی حد تک مسلمان رہنے پر قناعت کرتے اور شیشہ گرانِ فرنگ کا احسان اٹھاتے ہوئے نہ صرف جوہری پلانٹ لگا کر چشم زدن میں دنیا کو ویران کر دینے والا اسلحہ بنالیں بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر خلا میں بکھرے لاتعداد ستاروں اور سیاروں پر قبضہ کر کے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل ہو جائیں اور زمین و آسمان کی بے کراں وسعتوں میں اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑتے ہوئے دعوی کریں کہ ہم اسلامی تاریخ کے زریں ترین عہد میں زندہ ہیں اور یہ کہ جیسی ترقی ہم نے کی ایسی ہماری تاریخ میں آج تک کسی دور میں بھی نہیں ہوئی ہو گی دوسری صورت وہ ہے جس کی جانب مولانا شبلی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم غیر مسلموں کی طرح آگے اور مزید آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے پلٹیں اور وہ بھی اس حد تک کہ ہماری زندگیاں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی طرح ہو جائیں یعنی ہمارے قول و فعل کا تضاد ختم ہو جائے اور ہمارا ہر عمل صرف اور صرف حق و صداقت کے لئے ہو ظاہر ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا خواہاں یوں تو ہر وہ شخص ہو گا جو خود کو مسلمان کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے لیکن ہمارے بعض اکابر نے ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے

نہ صرف ہر اس وسیلے سے کام لینے کی کوشش کی جو مقصد کے حصول میں معاون ہو سکتا تھا بلکہ اس کے لئے منظم و منضبط طریقے سے عملی و فکری سطح پر ایسا لائحہ عمل بھی تیار کرنے کی کوشش کی جس کو اپناتے ہوئے منزل تک پہنچنا آسان تر ہو جائے۔ اقبال بھی ایسے ہی اکابر میں سے ایک ہیں لیکن ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اقبال کی کاوشوں کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان اکابر بزرگوں اور اشخاص کا ذکر کر دیا جائے جنھوں نے اس سلسلے میں ناقابل فراموش اور اگر اقدر کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن اس سے بھی پہلے ایک اور بات طے کر لینی چاہیئے کہ آخر ملت اسلامیہ کا وہ کونسا دور ہے جسے نئے سرے سے زندہ کر کے نہ صرف خود ملت اسلامیہ بلکہ پوری نسل انسانی کی فلاح و نجات مقصود ہے کیونکہ مختلف جغرافیائی خطوں اور تہذیبی رویوں کے حوالے سے ایسے بہت سے دور گذرے ہیں جن میں مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے حکومت و سلطنت کے مالک رہے ہیں بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں بھی ملت اسلامیہ نے وہ حیثیت اختیار کئے رکھی ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں شاید ہی مل سکے مثلاً ایک دور تو آج کا دور ہے جس میں مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی تعداد سینکڑوں اور لاکھوں سے بڑھ کر کروڑوں تک پہنچ گئی ہے اور بے شمار آزاد و خود مختار مسلمان ریاستیں موجود ہیں ایک وہ دور بھی ہے جس میں ہندوستان نے مغلیہ سلطنت کی صورت میں مسلمانوں کی حکومت کا وہ شکوہ اور دبدبہ دیکھا جو اس کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ سلطنت عثمانیہ بھی تقریباً چھ سو سال تک اپنی شوکت و جبروت کا نظارہ دکھاتی رہی اس سے بھی قبل بنو عباس اور بنو امیہ کی سلطنتوں نے بھی یک وسیع و عریض حکومت قائم کی یہ وہی دور ہے جس میں مسلمانوں نے فکری و مادی اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی اور علم و دانش کی وہ شمعیں روشن کیں جن سے یورپ کی ظلمت بھی روشنی میں بدل گئی۔ اس سلسلہ میں باقی عالم اسلام کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو صرف قرطبہ، غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں کا حوالہ دینا کافی ہو گا جن میں مسلمانوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں یورپی عیسائی بھی حصول علم کے لئے آیا کرتے تھے لیکن اسلامی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے والوں کے پیش نظر جس طرح آج کا دور نہیں ہے اسی طرح بنو امیہ اور بنو عباس کا دور حکومت بھی نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی حکمرانی کے اس عہد زریں میں ہر طرح کی ترقی کے باوجود اسے اسلامی دور کا بہترین نمونہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عجمی تہذیب کے عناصر کی آمیزش نے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن اور یونانی فلسفہ کے اثرات نے ان کے خیالات و افکار کی کچھ ایسی صورت گڑ دی تھی جسے اسلامی قرار دینا بھی اتنا ہی دشوار ہے جتنا غیر اسلامی کہنا۔ ایسی صورت حال میں صرف ایک ہی دور ایسا قرار پاتا ہے جس کے احیاء سے حیات و کائنات میں ایک بار پھر وہ انقلاب لایا جا سکتا ہے جس کے بعد پھر کسی انقلاب کی ضرورت باقی نہیں رہے گی یہ دور اسلام کے ابتدائی چند برسوں پر محیط ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور اس کے بعد خلافت راشدہ کا دور۔ تاریخ اسلام کا یہی وہ دور ہے جسے خالصتاً اسلامی عہد کہا جا سکتا ہے اس طرز زندگی اور نظم معاشرت کی کچھ جھلکیاں عمر بن عبدالعزیز اموی کے عہد حکومت میں بھی ملتی ہیں کیونکہ اس

دور میں بھی ہر طرح کے ذاتی سود و زیاں پر اسلام اور اسلامی اصولوں کو فوقیت حاصل رہی تھی۔
عمر بن عبدالعزیز کے جانشینوں کے عہد حکومت میں اخلاقی انحطاط پھر پیدا ہو گیا جس کے بعد ہر طرح کا زوال قوموں کا مقدر ہو جایا کرتا ہے لیکن ایسی حالت میں بہت سے بزرگوں مثلاً حسن بصری، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ نے وہ کام جاری رکھا جس سے قوم و ملت میں صحیح اسلامی روح بیدار ہونے کی امید ہو سکتی تھی زمان و مکان کے اختلاف کے ساتھ امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی۔ علامہ ابن جوزی۔ نور الدین فرنگی، صلاح الدین ایوبی امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ نے قلم اور تلوار یا بیک وقت دونوں سے تجدید و اصلاح کے کام کو آگے بڑھایا۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال فکری و عملی طور پر عمر بن عبدالعزیز سے شاہ ولی اللہ تک پہنچنے والے اسی عظیم سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ علامہ اقبال بڑے شاعر ہوں یا بڑے فلسفی، اس طرح کی لایعنی بحث میں آئے بغیر ان کے افکار و خیالات کے مطالعہ سے جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بڑے مسلمان ضرور تھے۔ بڑا مسلمان نہ صرف اپنی ذاتی اور نجی زندگی کو اسلام کے آہنگ میں ڈھالنے کے لئے کوشاں رہتا ہے بلکہ اس کی خواہش یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے گرد و پیش کی زندگی بھی ہر سطح پر اس مفہوم سے آشنا ہو جائے جو اسلامی تعلیمات کا حاصل ہے۔ مفکر اسلام نے بھی اپنے شعر و فلسفہ کے ذریعے یہی سب کچھ کیا ان کے تمام خیالات و افکار کا حاصل ایک ہی عمل ہے کہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کا عمل اور ناقۂ بے زمام کو پھر سے قطار میں لا کر نظم و ضبط قائم کرنے کا عمل۔ ان کے دنوں کی تپش اور شبوں کا گداز اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صرف کہ زمانہ ایک بار پھر فقیری میں شاہنشی اور شہنشی میں فقیری کے اسی انداز کو دیکھ لے جس کے سامنے جلال بادشاہی اور جمہوری تماشا دونوں ہیچ بھی ہیں اور بے بے بضاعت بھی!

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قوم و ملت کی تعمیر و ترقی اور اس کی خامیوں کو دور کرنے کا عمل عموماً دو طریقوں سے کیا جاتا رہا ہے ایک یہ کہ قوم کے مختلف طبقوں کے نقائص کا ذکر کر کے قوم کو مطعون کیا جائے اور یوں ان میں پستی و ذلت کا احساس پیدا کر کے یہ توقع کی جائے کہ وہ اصلاح و ترقی کی جانب راغب ہو جائیں گے ہندوستان میں سرسید کے رفقاء نے عمومی طور پر یہی طریقہ اختیار کیا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قوم کے زوال کے حقیقی اسباب کا سراغ لگایا جائے اور ان اسباب کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔

علامہ اقبال نے زوال کے خاتمے اور اصلاح و ترقی کے لئے اختیار کیا جانے والا دوسرا طریقہ پسند کیا اور ان عملی و نفسیاتی اسباب کا سراغ لگانے کی کوشش کی جس کے باعث قوم اپنے جوہر اور قوت عمل سے محروم ہو گئی تھی اس سلسلہ میں انھیں جو پہلی بات نظر آئی وہ یہ تھی کہ عجمی و ایرانی اور یونانی فلسفہ کی آمیزش سے مسلمان کچھ ایسے افکار و خیالات کو اپنائے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے حیات و کائنات کے دیگر مظاہر کے مقابلے میں نہ تو انھیں اپنی اہمیت کا احساس رہا ہے اور نہ اپنے اس فرض منصبی کا احساس رہا ہے جس کو بجالانے کی

ذمہ داری دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی ان پر عائد ہو گئی تھی علامہ اقبال کے خیال میں یہی ایک چیز ایسی تھی جس کو دور کر لینے کے بعد ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک لائحہ عمل متعین ہو جاتا چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے اس جانب توجہ دی۔

یوں تو فلسفہ خودی کے حوالے سے علامہ اقبال نے فکر و تدبیر، تسخیر کائنات اور عشق و فقیر وغیرہ کا ذکر کیا ہے لیکن ہمارے موضوع سے متعلق اصل چیز تقلید ہے جس کا ذکر کلام اقبال میں بار بار ملتا ہے کہیں تو تقلید کو ایمان کا جزو لازم قرار دے کر اسے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور کہیں اسے زینوں کا مرض کہہ کر اس سے بچنے کی تلقین کی ہے یہ دونوں باتیں بظاہر متضاد ہونے کے باوجود ایسی ہیں کہ ان پر بیک وقت عمل کیا جا سکتا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان پر بیک وقت عمل کرنے سے ہی اصلاح و تجدید کی وہ صورت نمایاں ہو گی جو مسلمان کو صحیح معنوں میں مسلمان بناتی ہے۔

تقلید جسے ایمان کا جزو لازم کہہ کر اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اسلاف کے اعمال حسنہ کی پیروی کا دوسرا نام ہے یہ اس میراث کی حفاظت ہے جس کو گنوانے پر آسمان ثریا سے زمین پر دے مارتا ہے جبکہ تقلید کی دوسری قسم ماضی سے وہ مریضانہ لگاؤ ہے جو ہر آئین نو کے راستے کی سب سے بڑی دیوار ہوتا ہے حکیم الامت اسے حریت فکر کے مقابلے میں محکومی کا نام دیتے ہیں ایسی محکومی جس کے بعد حکمت دین کے سیکھنے اور سکھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

ہوس کی طرح تقلید بھی سینوں میں چھپ چھپ کر تصویریں بنانے میں خاص کمال رکھتی ہے بعض اوقات آزادی فکر کے اظہار کے لئے اپنے طور پر مذہب و معاشرت میں تبدیلیاں لانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ تبدیلیاں در حقیقت خود تقلید کے زمرے میں آتی ہیں یہ وہی صورت ہے جو مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ پیش آئی تھی وہ تجدید و اصلاح کرتے کرتے ایسی راہ پر چل نکلا تھا جو بالآخر تجدد پر منتج ہوئی یوں ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے ہاں حریت فکر پر ایک قدغن بھی عائد ہے اور وہ یہ کہ تجدد و اصلاح کی تمام کوششیں اپنے اصل دائرہ میں رہ کر کی جانی چاہئیں علامہ اقبال کے نزدیک ذہنی محکومی کے دور میں کی جانے والی کوئی بھی اصلاح درحقیقت الہام پر فائز ہونے کے باوجود اقوام کے لئے چنگیز کی حیثیت رکھتی ہے۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

مفکرِ اسلام کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارے علماء

کرام اور مجتہدین سخت محنت و کاوش سے کام لیکر اسلامی قانون وفقہ کی تشکیل جدید نہیں کرلیتے کیونکہ دوسری صورت میں بعض بہت اہم اور نازک مسائل نے ایسی شکل اختیار کرلی ہے جنکے حل نہ ہونے کی صورت میں خود مذہب کے امکان کے بارے میں سوال اٹھنے لگتا ہے لیکن علامہ اقبال یہ اہم ذمہ داری صرف علماء پر ڈال کر مطمئن نہیں ہو جاتے بلکہ الحادی فلسفہ کی جانب سے مذہب کے بارے میں اٹھائے جانے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اجتہاد کے بارے میں خود اپنے خیالات کا بھی نہایت شرح و بسط سے اظہار فرماتے ہیں "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" "Reconstruction of religious thoughts in Islam" کے ایک خطبے "اجتہاد فی الاسلام" میں اسلامی فقہ کے جامد ہو جانے کے اسباب سے بحث کرتے ہیں فرق اسلامی کے مختلف ماخذ کا ذکر اور ان کی اہمیت و افادیت کا احساس دلاتے ہوئے ان سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ زمانہ حال میں اسلامی فقہ کی تدوین نو کے سلسلہ میں ہونے والے کام کا جائزہ لیکر اس کی قدر و قیمت بھی متعین کی جاتی ہے مفکر اسلام جس اجتہادی کارنامہ کو روح اسلام کے انکشاف کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور جو بات ان کے خیال میں محض اغیار کی تقلید ہے اس کی مذمت کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں پہلی صورت اس وقت کھل کر سامنے آتی ہے جب جدید ترکی میں خلافت کو ختم کر کے "گرینڈ نیشنل اسمبلی" کی تشکیل کی جاتی ہے تو وہ اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ امر ہمارے لئے بہت زیادہ اطمینان کا باعث ہے کہ دنیا میں جنم لینے والی نئی نئی طاقتیں اور یورپین اقوام کے سیاسی تجربات دور حاضر کے مسلمانوں کے ذہنوں پر نظریہ اجماع کے امکانات اور قدر و قیمت مرتسم کر رہے ہیں اسلامی ممالک میں جمہوری روح کی نشوونما اور مجالس آئین ساز کا بتدریج قیام ترقی کی طرف بہت بڑا قدم ہے"

اطمینان کا ایسا ہی اظہار ایران میں رضاشاہ کے کارناموں پر بھی کیا جاتا ہے لیکن جب یہی ایرانی اور ترک مسلمان تجدید و اصلاح کے زعم میں بعض ایسے اقدامات کرتے ہیں جو قرآن کے احکامات سے براہ راست متصادم ہیں تو حکیم الامت بجا طور پر سمجھنے لگتے ہیں کہ روح شرق کو ابھی ایسا بدن نہیں مل سکا جو ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کا موید بن سکتا اور ملت اسلامیہ ایک بار پھر زندگی کی ہر سطح پر اقوام عالم کی راہ نمائی کر سکتی۔

نہ مصطفےٰ نہ رضاشاہ میں نمود اس کی کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

روح شرق وہی قوت ہے جو جنیوا کی بجائے مکہ کو اپنا مرکز بنا کر نسل انسانی کی تقدیر بدل سکتی ہے (۱) یہی ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ ہے اسی کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔ کامل یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ دیگر خوابوں کی طرح علامہ اقبال کا یہ خواب بھی جلد یا بدیر شرمندہ تعبیر ہو کر رہے گا۔

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام (ضرب کلیم)
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم